

مابعد جدید تنقید کی تیسری فکریاتی اور جمالیاتی کائنات

نظام صدیقی

527، دائرہ شاہ محبت اللہ، بہادر گنج، الہ آباد-211003 (یو پی)

گزشتہ سے پیوستہ

محولہ بالا مرکزی تصورات اور فکریاتی امتیازات کے پیش منظر کے ساتھ مابعد جدید تنقید اور ادب کے فکریاتی اور علماتی پس منظر کا مطالعہ بھی ناگزیر ہے۔ بیسویں صدی کی سترکی دہائی میں شدید سماجی، تہذیبی، سیاسی اور فکری اضطراب کا دور تھا۔ ایک نئی پیدائش کا پیش سایہ دراز ہو رہا تھا۔ جدیدیت سے ایک فیصلہ کن آخری انحراف رونما ہو رہا تھا یعنی جیسے جدیدیت خود وکٹوریائی امتناعات، خاندانی زندگی اور کوگیتو (Cogito) ”میں سوچتا ہوں۔ اس لیے ہوں“ کے ریزہ کار کا ریٹین نظریہ عالم سے منحرف ہوئی تھی۔ درحقیقت کوگیتو کا تصور ہر نوعیت کی برتری، عظمت اور فضیلت کا ایک نقطہ آخر تھا جہاں کلام اور تقریر اعلیٰ ترین تصور کیے جاتے تھے اور جس اور تحریر ایک کمترین مقام کے لیے خارج کر دیے گئے تھے۔ یہ کوگیتو نطشے کے ذریعہ لامرکز کر دیا گیا تھا۔ اس ضمن میں اُس کا فقرہ ”خدا مر گیا ہے۔“ شہرہ آفاق ہے۔ ردِ تفکیک کے بنیاد گزار فلسفی ڈاک ویریدانے اُس کو کلام مرکزیت (Logocentrism) سے موسوم کیا جو ”تحریر“ پر ”تقریر“ کے خصوصی اقتدار، غلبہ اور فوقیت پر شدت سے زور دیتی تھی۔ مغربی ذہنی رویہ بہت حد تک ”موجودگی کی مابعد الطبیعات“ کے اثبات کا حامل تھا جو سب سے زیادہ اہمیت خیال (Idea) موجودگی اور خدا کو دیتا تھا۔ یہ ایک ایسی ساخت کی نشاندہی کرتا تھا جو مرکز کے زیر نگین تھی۔ بیسویں صدی میں یہ مرکز ترجیحی ساخت اور موجودگی کا تصور نطشے، ہائیڈر، فرائیڈ اور ڈاک ویریدانے کی تحریرات سے رد کر دیا گیا۔ تانہیت پسند خواتین قلم کاروں نے بھی ان خصوصیات اور تصورات کو مردانہ شناخت کا جوہر اصل تصور کیا کہ یہ ذکر ترجیحی باقیات ہیں اور قابل رد ہیں۔ نتیجتاً مرد ترجیحی موجودگی کی مابعد الطبیعات، کلام (Logos) اور مرکز کی حکمرانی بالآخر ختم ہو گئی۔ داستانوی عصا سے لیس بلند آہنگ آمرانہ مردانہ آواز اب تاج و تخت سے محروم ہو گئی۔ اس کے برخلاف ہیئت، جسم، خطوط اور تار و پود کی ساخت ہمیشہ متحرک اور تغیر پذیر تہا ہم اپنے ساختیاتی برتاؤ میں مستقل اور اٹل فی زمانہ مقتدر ہو گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ محض ایک ترجیحات کی

(۱۴) تیسری ایگلٹن کی ”تھیوری کے بعد“ After Theory کے ردِ عمل میں اکیسویں صدی کے عالمی منظر نامہ پر دو معرکہ آرا کتابیں ”ترجمہ کی تیسری کائنات“ (The Third World of Translation) پروفیسر ہنری لوئی گیٹس کی ”تھیوری کی تیسری کائنات“ (The Third World of Theory) بھی وجود پذیر ہوئی ہیں جو تھیوری کے بارے میں خوش آئند بشارت دیتی ہیں کہ مستقبل میں تھیوری بدلی ہوئی ہیئت میں قائم رہے گی اور نئی جہات کی سمت نما ہوگی۔ مجموعی طور پر دونوں کتابیں اکیسویں صدی میں نئی تھیوری کے مزید استحکام، ارتقاء اور ارتقا کے ضمن میں کافی اُمید انگیز، ایقان آگیز اور مستقبل آفریں ہیں۔ ان کے علاوہ خود ہندوستان میں ابھی شائع شدہ سکانت چودھری کی کتاب ”متن کی مابعد الطبیعات“ (The Metaphysics of Text) اور پردیپ کمار دتا کی کتاب ”غیر متجانسات: جدید ہندوستان میں شناختی تشکیلات (Heterogeneities: Identity for Nations in Modered India) بین العلمیہ (Interdisciplinarity) اور ماورائے علمیت (Trans Disciplinary) کی کھدان ہیں اور نئے نقطہ ہائے نظر نئے طریقہ ہائے کار اور نئے امکانات کی نشاندہی کرتی ہیں۔

(۱۵) اس عالمی، قومی اور مقامی نئی صورتحال میں بھی اردو زبان و ادب کے تناظر میں ادبی لانگ (Langue) یا ادبی روایت اور نئی پارول آفرینی یا کلام آفرینی کے مثبت اور حرکی تصور کو ہرگز نظر انداز نہ کیا جائے۔ ہر متن، فوق متن یا پارول (کلام) جو وجود میں آتا ہے۔ وہ مخصوص ادب کی لانگ یا روایت کی رُو سے اور اُس کے حوالہ سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ یوں پرانی، فرسودہ اور از کار رفتہ ساخت کی جگہ ایک نئی تازہ کار اور نادرہ کار ساخت لے لیتی ہے جو اکیسویں صدی کے جمالیاتی، فکریاتی اور ثقافتی تناظر میں نئی اضافی تخلیقیت، نئی اضافی عصریت، نئی اضافی معنویت اور نئی اضافی فیت سے مزید روشن، منور اور فروزاں ہوگی۔

آف ہسٹری ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ مغرب میں ۱۹۴۰ء سے قبل تک کا زمانہ جدیدیت سے عبارت تھا۔ اُس کے مماثل ہائیڈر کے مخالف انسانیت پسند رویہ نے بھی ایگو کے علامتی مظہر کے طور پر آدمی کی امیج کو توڑنا یہ سمجھ کر عمداً شروع کر دیا کہ آدمی بھی دوسری ایشیا میں محض ایک شے ہے۔ یہ فرد کا خاتمہ تھا۔ اسی دور میں ساختیات بھی وجود پذیر ہوئی جس نے بالآخر مصنف بحیثیت خدا (خالق فنکار) کے خاتمہ کا اعلان کر دیا اور متن کی خود اختیاری کی بابت از سر نو غور و فکر کو شروع کر دیا۔ یہ ساٹھ کی دہائی کے دوران غیر معمولی وقوعہ تھا کہ جینیاتی پھوٹ گیا اور (Code) زندگی کی انگنت شکلوں، رویوں اور ہیئتوں کے نتیجے ایک ساخت کو کا فرما دیکھا گیا جو متن کو ساختیات کی توثیق کر رہی تھیں۔

بہت ساری دوسری چیزیں اس دہائی میں نہ صرف سیاسی بلکہ اقتصادی، سماجی اور نسلی میدانوں میں ہوئیں۔ نیولٹ طلبا، انسانی حقوق کی تحریک، سیاہ فام سیاست، اقلیتوں کی آواز، عورتوں کی آزادی کی تحریک، رڈ نوآباد کاری، تقسیم کاری، رڈ ہجوم کاری... یہ تمام عوامل ایک ساخت کی تخلیق کرنے کے لیے متحد ہو گئے جس میں خطوط ہمیشہ متحرک اور طوفانی تھے۔ تاہم ایک نئی عالمی ساخت ابھی ایک گورکھ دھندے اور بھول بھلیوں کے مترادف تھی۔ یہ مابعد ساختیات، تائیشی تنقید، تہذیبی مطالعات، ذیلی طبقاتی مطالعات، مظہریات، قاری اساس تنقید، رپنشن تھیوری، شعور و آگہی کا جینیوا اسکول، نئی تواریخیت، اینگلو سلکسن قاری اساس تنقید، اسی طرح یہ مابعد جدیدیت کے باقاعدہ آغاز کا دور تھا۔ مابعد جدیدیت نئی علمیات اور نئی معنویات کی جانب راغب تھی۔ چھٹی دہائی کے اخیر میں مابعد جدیدیت کا اولین نیوکلیائی حملہ ڈاک دیریداک کی شہرہ آفاق ”رڈ تشکیل کی تھیوری“ سے ہوا جو نئی معنویات کی حامی تھی۔ یہ عظیم ترین نیوکلیائی دھماکہ تھا جس نے ۱۹۶۸ء میں جدیدیت سے واضح ترین انحراف کا آخری فیصلہ کر دیا اور پھر بہت ساری چیزیں سچ سچ بڑی سرعت سے واقع ہونے لگیں۔ نئی تھیوری کے ڈسکورس میں ڈاک دیریدا، مائیکل فوکو، ڈاک لاکاں ڈاں فرانسواں لیوتار، رولاں بارت، پول ودمان، ڈاں بودریار، ڈیولیا کرسٹیوا، فریڈرک جیمسن، اسٹیلے فوش، آلتیو سے، ٹیری ایگلٹن، مائیکل رفاٹیر، ایڈورڈ سعید، گائتری چکرورتی اسپیواک اور ہومی بابا نے اپنے فکریاتی اختلافات کے باوجود عالمی دانشورانہ فضا کو یکسر بدل ڈالا۔

جدیدیت پسندی تنقید نے حشو و زوائد کے طور پر اپنی ادبیت گزیدہ تھیوری سے مختلف فلسفیانہ مکالموں اور دوسرے بین العلومی مخاطبوں

اگست ۲۰۱۸

تبدیلی ہے جو موجودگی کے تصور سے ”غیر موجودگی کے تصور“ کے لیے واقع ہوئی ہے۔ غیر موجودگی (Absence) اب مرکزی اور محوری ہو گئی ہے۔ رڈ تشکیل غیاب اور خاموشی (Silence) کی ایک نہایت معنی خیز تلاش و تحقیق ہے۔ یہ مابعد جدیدیت کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔

”موجودگی کی مابعد الطبیعات“ کی رڈ تشکیل کے بعد، ایک نئے وجود کو پیش منظر پر دکھیل دیا گیا۔ سُپر مین (فوق البشر) بحیثیت موضوع انسانی (Subject) جس میں قوت اور اقتدار کے حصول کے لیے ایک ناقابل تسخیر ارادہ کو مرکوز کیا گیا ہے۔ ایک بیگانہ انسانی وجود کے تصور پر بیسویں صدی کے وجودی فلسفہ کی پرورش ہوئی۔ جدیدیت نے بھی اس کو ایک دیوتا کے شئی کے طور پر نہیں بلکہ ایک انفرادی ایگو (Ego) کے جیتنے جاگتے مجسمہ کے مانند نمایاں کیا۔ مارکسیت اور جدیدیت دونوں ہی کو گیتو (Cogito) کے تصور پر حملہ آور تھیں۔ نتیجتاً دونوں نے خود کو انسانیت پسندی (Humanism) کی میراث سے وابستہ کیا۔ اگرچہ مارکسیت نے خود اختیاری، آزادی اور خصوصاً فرد کی آزادی کی عظمت کی فصدہ آرائی نہیں کی بلکہ اُس پر پرولتاریہ کے احکام کو مسلط کیا۔ جدیدیت میں فرد کی خود اختیاری کو نمایاں کیا گیا۔ متن کی خود اختیاری بھی بحیثیت لسانی تشکیل (Linguistic Icon) اسی فکریاتی موقف کا بالواسطہ نتیجہ تھی جس کو نئی تنقید کے ذریعہ ”نظریا“ گیا۔ مابعد جدیدیت میں اُس کی رڈ تشکیل کی گئی۔

اُس دور میں فرد کی خود اختیاری کے دعوے دوسری تحریکات اور شعبات میں بھی بلند کیے گئے۔ نفسیات اور جنسیات میں فرائیڈ بھی اس خیال کا خوگر تھا کہ ایگو کو اوڈ (خواہش) پر حاوی ہونا چاہیے تھا۔ سماجی طور پر بیگانہ جدیدیت پسند فنکار کی اس طرح نمایاں خوبیاں سرد عقلیت اور خود اختیاری تھیں تاہم وہ گندم نما جو فروش انسانیت پسندی کی رڈ تشکیل کو نہیں روک سکا جس کی ریاکاریاں اور مکاریاں اُس دور میں سطح پر آشکار ہونا شروع ہو چکی تھیں۔ مثلاً تہاہی کے فلسفی اسپننگر ٹوائسن بی اور سوروکن اے ایک ایسے مکاشفاتی موقف کی پہلے بنیاد ڈالی تھی جس نے مغربی زوال کی پیش گوئی کی۔ خصوصی طور پر عالمی جنگ کی تباہ کاریوں کے نتیجے میں ٹوائسن بی نے مختلف ذیلی تہذیبوں (Subaltern) کے فروغ کے باعث کثیر تہذیبیت (Multiculturalism) کی فزوں ہوتی ہوئی معنویت و اہمیت کے پیش نظر مابعد جدیدیت (Post Modernera) کی ترکیب (۱۹۳۸ء) میں استعمال کی تھی اور تہذیبی تفریقیت اور اقتداری تفریقیت پر زور دیا تھا جو نقشے کے اصول تفریقیت (Principle of Differentiation) پر ایک حد تک مبنی تھیں۔ گو یہ کتاب اے اسٹڈی

ایوان اردو، دہلی

بین التونیت مابعد جدید تخلیقی ادب کے چند مرکزی تصورات میں ایک ہے۔ حقیقی زندگی کے افسانے، پریوں کے قصوں، اسطوری قصوں، داستانی مختصر تخلیقی بیانیوں اور تمثیلوں کے برخلاف جدید کردار کے حامل تھے۔ حقیقت نگاری، رومانویت نویسی کے برخلاف جدید تھی۔ نوحقیقت نگاری کا ارضی عمرانی رویہ، داخلی نوحقیقت نگاری کا نیا اسراتی طریق کار، پھر گارسیا مار کیز کی جادوئی حقیقت نگاری، جارج لوئی بورس (بورخیز غلط ہے) نثر کی اور آنا کائونو کی میٹافکشنی حقیقت نگاری (فوق افسانوی حقیقت نگاری) ترقی پسندی اور جدیدیت پسندی کے برخلاف مابعد جدید ہے۔ یہ فوق افسانوی متن پر زور دیتی ہے جو بنیادی طور پر بین التونیت پر منحصر ہوتی ہے۔ درحقیقت جدیدیت متن (Text) کو اولین معنویت و اہمیت دیتی تھی۔ مابعد جدیدیت فوق متن (Meta Text) کو زیادہ معنویت اور فوقیت دیتی ہے خواہ شاعری ہو افسانہ یا ناول وہ فوق افسانوی پہلو پر اصرار کرتی ہے۔ اُس کی فنی اور جمالیاتی رُو سے ایسا متن تخلیق کرنا ناگزیر ہے جو کسی دوسرے فنکار کی شہرہ آفاق تخلیق کو موضوع تحریر بنانا ہو اور اُن میں نئے تناظر میں یکسر نئے معانی و مفاہیم کی نئی دریافت کی کوشش کرتا ہو اور یہی تکثیری معنویاتی تلاش فوق افسانہ (Metafiction) کے تار و پود کی تخلیق کرتی ہے اور اُس کی مخصوص و منفرد جگہ گاتی شناخت بھی بنتی ہے۔ یہ اکثر مفروضہ افسانوی صداقت پارہ کی تفسیر اور اُس پر نقد و تبصرہ کی بھی حیثیت رکھتی ہے۔ مجموعی طور پر فوق متن (Para Text) اپنی افہام و تفہیم خود ساخت کرتا ہے۔ اسی وجہ سے مابعد جدیدیت بین متنی کارکردگی کو بہت اہمیت دیتی ہے اور بین متن کو ہی حقیقت اور جواز حقیقت سمجھتی ہے۔ اُس کی تفہیم و تنقید کے لیے روایتی ترقی پسند تنقید اور روایتی جدیدیت پسند تنقید نا کافی اور غیر معتبر ہے۔ اُس کے لیے نیوکلیائی فوق متنی تنقید لایا ہے۔

Each atom carries infinite energy. If an atom of matter has so much energy. How much more energy has the atom of being, the atom of life, the atom of consciousness, the atom of word, the atom of text the atom of metatext.

مابعد جدید تخلیقی ادب پیشتر پہلے کے اسالیب کی باز آباد کاری یا بازناتخلیقی بازتخلیق و تعمیر (Pastiche) پیروڈی، ذومعنویت (Pun) اور نشانہاتی و معنویاتی پیچیدہ بیانی (Innuendo) یا گروکتی^۱ سے مملو ہے اور ہر نوعیت کے الفاظ کی بازیگری اور معنویاتی تہہ داری اُس کا مابہ الامتیاز ہے۔ یہ کثیر سطحی ازسرنو فکری آغاز اور ازسرنو ذہنی دعوت و شراکت ہے یا

^۱ مثنی بیانیہ

(Discourses) کو یکسر جلا وطن کر دیا اور متن کی خود اختیاری پر انتہا پسندانہ طور پر زور دیا اور اُس کو لسانی تشکیل موسوم کیا۔ درحقیقت یہ انفرادی ایگو کا ایک اوتار (تناسخ) تھا۔ ساختیات پسندوں کا خیال تھا کہ یہ تصور صرف متن کی سطح کو چھوٹا تھا۔ اُس خارجی سطح کے نیچے وہاں ایک اور زیریں داخلی ساخت کا فرما ہوتی ہے، بلکہ ایک ساخت آگے وجود رشتوں کے مکڑ جال کے روپ میں عمل آرا ہوتا ہے جو ہمیشہ معنویت کو خلق کرتا ہے۔ ساختیات پسندوں کا اصرار نہ تو متن کی خود اختیاری پر تھا اور نہ مصنف کے رول پر تھا۔ اس ضمن میں نہ تو خلق کردہ معنویات پر تھا۔ بلکہ شعریات کی عمیق تر ساخت پر تھا اور اس کے ساختیانے (Structuring) کے سلسلہ عمل پر تھا۔ درحقیقت ساختیاتی نظریہ ساز ”سسٹم“ (نظام) کو بھی سمجھنا چاہتے تھے۔ بہر حال وہ یقین کرتے تھے کہ تدریجی علم و آگہی ممکن ہے، لیکن رد تشکیل پسند کا خیال تھا کہ تدریجی علم و آگہی ممکن نہیں ہے۔ رد تشکیل نے اپنا موقع پانے پر نہ صرف موضوع انسانی (Subject) کو یکسر ختم کر دیا بلکہ ساخت کو بھی تہہ و بالا کر دیا۔ اس طرح انھوں نے گورکھ دھندے اور بھول بھلیاں کے تصور (Labyrinth) کی داغ بیل ڈالی۔ یہ تکثیری معنویاتی اور مفہوماتی انتشار کی ایک کائنات ہے۔ مابعد جدیدیت سے ایک حد تک رد تشکیلی تنقید کی اس روح کو اپنے اندر جذب و پیوست کر لیا ہے۔

رد تشکیل کی تھیوری نے سسسٹم (نظام) کی ٹھوس بنیاد کو ہلا دیا یا کم از کم ترجیحات کی مکمل تبدیلی کو پیدا کیا۔ ڈاک دیریدا کے لیے متن ایک بھول بھلیاں ہے جس میں وہ معنی کے عدم تعین کو بیان کرتا ہے یا اُس لسانیاتی اور معنویاتی ڈہری گرہ بندی کو دیکھتا ہے جو معانی کے آنے والی یلغار کو روکتی ہے۔ وہ اُس کے عوض میں مراجعتی رُخ کو بحال کرتی ہے جو باز گردش کی ایک ابدی حالت میں عروج پر پہنچتی ہے۔ درحقیقت دیریدا یہ اشارہ کر رہا تھا کہ رد تشکیل کسی متن کے باہر سے نہیں آتی ہے۔ درحقیقت یہ متن کے اندر سے ہی رونما ہوتی ہے۔ متن بذات خود اپنی رد تشکیل کرتا ہے۔ ڈاک دیریدا نے بے یقینی، ناطے شدگی، عدم تعین، عدم قطعیت اور عدم تحدید کے اکبری اصول کو متن اور فوق متن کے لیے استعمال کیا اور ذوق سلیم اور تخلیقی بصیرت کے اہل قاری کے آزاد تلازمہ خیال کا جشن منایا ”نت نئی معنویات کی طرف“ راغب کرتا ہے۔ تمام معنویات ناپائیداری کی ایک نازک صورت حال رکھتی ہیں۔ خود اردو ادب میں ہر بدلتے تناظر کے ساتھ، قاری کی ہرنسل کے ساتھ، تاریخ کی تبدیلی کے ساتھ اہل قاری کے تقاضے غالب اور میر کے متن سے بدلتے رہے ہیں۔ اس تناظر میں ڈاک دیریدا کا ”بین التونیت“ کے تصور کا اثبات بھی بہت کیف پرور اور معنی خیز ہے۔

نقوی، شاہد جمیل، نعمان شوق، مقیم اثر، شہپر رسول، مناظر عاشق ہرگانوی، صابر زاہد، ریاض لطیف، ابراہیم اشک، سلیم انصاری، شبنم عشائی، عین تابش، ظہیر غازی پوری، خالد عمادی، شہنازی، ساجد حمید، آشا پر بھات، چندر بھان خیال، سینی، سروچی، مظہر مہدی، رؤف خلش، مضطر مجاز، جمال اویسی، شیم قاسمی، حسن فرخ، منصور عمر، راشد طراز، قمر صدیقی، ایم۔ اے۔ ضیاء، امام اعظمی، خلیل تنویر، شہاب اختر اور طارق متین وغیرہ نے مابعد جدید منظومات اور غزلیات تخلیق کیں جو لسانیاتی، اسلوبیاتی اور معنویاتی آزادی (Freedom) اور لفظ کی ثانوی سطح حافظہ (Second Order Memory) سے بیک وقت مملو ہیں۔ ایک بلند پایہ شعری حُسن پارہ ان دو سطحوں کے درمیان سمجھوتہ سے عبارت ہوتا ہے۔ یہ ایک دلآویز ادبی معنویاتی گردش کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔ بزرگوں میں پاکستان میں وزیر آغا، ہندوستان میں مظہر امام، انگلستان میں ساتی فاروقی مابعد جدید نسل کے حقیقی پیش رو ہیں۔

اردو ادب اور تنقید نے اپنی مقامی اور قومی اُردوئی مابعد جدیدیت کی تخلیق کی ہے۔ یہ ایک واحد رویہ و نظریہ کا اعلان نہیں کرتی ہے بلکہ وہ مختلف، متنوع اور بولچھوں زاویہ ہائے نگاہ کا برملا انکشاف کرتی ہے۔ نتیجتاً ایک نئی جمالیات، نشانیات اور معنویات اردو کے تخلیقی ادب پر طلوع ہوئی ہے اور ایک نیا فکریاتی رویہ اور حسنیاتی برتاؤ تخلیقی ادب کے لیے خصوصی رنگ و آہنگ میں وجود پذیر ہوا ہے۔ مابعد جدیدیت نے ہماری ادبی، عمرانی اور ثقافتی دنیا میں ایک نئے عہد کا آغاز کیا ہے۔ یہ ایک کشادہ تر ذہنی رویہ اور اطلاقی برتاؤ ہے جو ہر نوعیت کی پابندی میں آزادی کا داعی ہے اور مختلف نوعیت کے ذہنی اور عملی دباؤ پیدا کرنے والے منفی رجحانات اور پس ماندہ میلانات کو چیلنج کرتا ہے اور برملا احتجاج، مزاحمت اور مقاومت کرتا ہے۔ مابعد جدید ”اردوئی“ تنقیدی منظر نامہ میں گوپی چند نارنگ، وزیر آغا، راقم الحروف، ضمیر علی بدایونی، دیوبند راسر، وہاب اشرفی اور ناصر عباس غیر مسلسل اپنے تنقیدی نتائج فکر پیش کر رہے ہیں۔ چنانچہ مابعد جدید تنقیدی منظر نامہ میں یہ ہفت سیارہ آواں گارد کا درجہ رکھتا ہے۔ آج کل مابعد جدید تنقیدی مباحث میں ابوالکلام قاسمی، شافع قدوائی، قاضی افضل حسین، حامدی کاشمیری، ریاض صدیقی، انیس اشفاق، مہدی جعفری، عتیق اللہ، صادق، بلراج کول، مناظر عاشق ہرگانوی، قیصر الاسلام، طارق چھتاری، حتانی القاسمی، احمد سہیل، مولانا بخش اور مشتاق صدف پیش پیش ہیں۔ تاہم مرحوم قمر جمیل، مرحوم فہیم اعظمی اور مرحوم ضمیر علی بدایونی کی گرانقدر خدمات مابعد جدید نظریات کے ضمن میں ناقابل فراموش ہیں۔ ◆◆◆

اگست ۲۰۱۸

پرانے فن پارے کی بیک وقت از سر نو ذہنی قبولیت اور نئی معنویت آفرینی ہے۔ انتظار حسین کا افسانہ ”شہزاد“، ”زرد کتا“، ”سریندر پرکاش“ کا ”بجوکا“، ”بازگونی“، ”جوگندر پال“ کا ”کھودو بابا کا مقبرہ“، ”انور قمر کا“ کا بلی والے کی ”واپسی“، ”جہاز پر کیا ہوا“، ”سلام بن رزاق“ کا ”یک لویہ کا گھوٹھا“، ”کلباڑی“، ”شوکت حیات“ کا ”سائپوں سے نہ ڈرنے والا بچہ“، ”مادھو“، ”بانگ“، ”ساجد رشید“ کا ”ایک مردہ سر کی حکایت“ اور ”بادشاہ“، ”بیگم اور غلام“، ”اقبال مجید کا ”لباس“، ”سید محمد اشرف“ کا ”روگ“، ”خالد جاوید کا ”آخری دعوت“، ”تاش کے پتوں کا عجائب گھر“، ”آصف فرخی کا ”پرندے کی فریاد“، ”مسندر کی چوری“، ”طارق چھتاری کا ”باغ کا دروازہ“، ”محمد منشا یاد کا ”شہر اور بکرا“، ”نیر مسعود کا ”طاؤس چمن کی بیبا“، ”گلزار کا ”مائیکل“، ”انجلیو“، ”عابد سہیل کا ”عید گاہ“، ”انیس اشفاق کا ”جنگل کا شیر“، ”مرزا حامد بیگ کا ”گناہ کی مزدوری“، ”منصور قیصر کا ”نئے عہد نامہ کا ایک مرتبہ“، ”شرف عالم ذوقی کا ”اصل واقعہ کی زیروکس کا پی“ اور ”اسرار گاندھی کا ”گہرے بادل“، ”فوق افسانوی حقیقت نگاری کا اشاریہ کندہ ہیں۔ یہ مشرقی جڑوں کی تہذیبی شناخت اور دیسی واد پرینی فوق افسانے (Supratext) ہیں۔ مرحومہ قرۃ العین حیدر ہمیشہ سے تواریخ کی فاش غلطی رہی تھیں۔ ان کی بیشتر فوق تخلصی تحریرات حقیقی افسانوی تخلیقیت، دیسی برجستگی اور سچائی نیز تہذیبی جڑوں کی بخش تمثال (Arch Type) ہیں۔ وہ فوق افسانہ کی بھی حقیقی اور بڑی پیشرو ہیں۔ مابعد جدیدیت صرف نرے ادبی معیارات و آئین اقدار کی آفاقیت اور معانی کی آہن پوش مرکزیت کی ہی رد تشکیل نہیں کرتی ہے بلکہ یہ نئے معنی کے آزادانہ کھیل پر بھی زور دیتی ہے۔

مابعد جدید شعری تناظر میں صلاح الدین پرویز، گلزار اور عزیز بہراچی کی فوق نظریہ تثلیث نمایاں ہوئی ہے۔ ہر ایک نہایت تخلیقی تپاک اور شعری استغراق سے مسلسل تخلیقیت بار اور معنویت کشا ہے۔ جینت پر مارنے سچی، اچھی اور بھلی دلت شاعری، سارا شکفتہ اور عذرا پروین نے بھر پور تائیش شاعری کی ہے۔ بیک وقت غزلیہ اور نظریہ آفاق میں محمد ظہار الحق، افضل احمد سید، ثروت حسین، علی ظہیر مصحفی، اقبال توصیفی، ش۔ کاف۔ نظام، سلیم شہزاد، عتیق اللہ، صادق، سلیم کوثر اقبال ساجد، صابر ظفر، ظفر گورکھپوری، عالم خورشید، خورشید اکبر کے علاوہ سید ابہار ندا فاضلی نت نئی کنواری برف توڑنے اور نئی دوشیزہ راہ کی تلاش مدام تلاش میں کوشاں تھے۔ ان کے علاوہ ستیہ پال آئند، فہمیدہ ریاض، لطف الرحمن، سلطان اختر، ارمان نجمی، منظر شہاب، سید امین اشرف، سید احمد شمیم، افتخار امام صدیقی، عبدالاحد ساسا، شاہد مابلی، فرحت احساس، عبدالمنان طرزی، عزیز پر بیہار، مہتاب حیدر

ایوان اردو، دہلی